سیرۃ النبی ﷺ میں علامہ شبلی نعمانی کے اسلوب کی انفرادیت

تقویم الحق، پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، جامعہ پشاور
ڈاکٹر بادشاہ منیر بخاری، ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو جامعہ پشاور

Abstract:

Shibli Naumani represents one of the rare blends of Muslim intellectual endeavours in British India. He known for his book series of Muslim biographies *Namwran-e Islam*, written on scientific and modern standards. The last of that series in his monumental works is *Seerat-un Nabi* on the life of the Prophet of Islam. This short article is an analysis of his style in Seerat-un Nabi and discovers that his upbringing along with social change had directly contributed on his choices for writing style. He born while India was still ruled by Mughals, and thus his initial education and training contains all traditional norms. However, the innate astonishing abilities of Shibli, acquired more than his contemporaries from traditional education. Right in his youth, he saw the transfer of power from Mughals to British and the resulting social change compelled him to stand with Sir Syed Ahmed Khan, the torchbarrier of Western education for Muslims in British India. Shibli through affiliation with modern institutions and the western intellectuals soon adopted the latest academic trends in his writings. The article in details furnish the elements of individual style of Shibli along with analysis for their sources.

Key Words:Biography in Urdu; Biographies of Muhammad (SAW); Stylistics of Urdu in British India; Urdu in British India; Ali Garh Movement.

علی گڑھ کالج میں سب سے پہلے "شمس العلماء" کا خطاب پانے والے اور افق ادب پر ہر بار ایک نئے اور منفرد انداز سے چمکنے والے علامہ شبلی نعمانی کے وسیع اور وزنی ادبی کارناموں کا مرکز و محور "اسلام" تھا۔ رفقائے سرسید میں سب سے جامع ہستی ان ہی کی تھی۔ ان کی ہمہ گیر ذات کا سب سے بڑا کارنامہ، اپنی رو میں ہر چیز بہالے جانے والی مغربی سیلاب سے مسلمانوں کو بچانا تھا۔ مسلمانوں اور دین اسلام پر متعصب یورپین معترضین (مستشرقین) کا جواب دینے کے لیے جس وسعت نظر، ذوقِ تلاش، طرزِ استدلال اور نکتہ سنجی کی ضرورت تھی، اس کی مثال ان کے علاوہ دوسری نہیں ملتی۔ زباں بندی کے دور میں بھی ان کے قلم سے جذباتی نظمیں نکلیں۔ موثر تاریخی واقعات کو اپنی شاعری میں جگہ دی۔ جدید تعلیم کے نقائص کو محسوس کر کے اعلانیہ اظہار کی جرات کی۔ ندوہ قائم کیا۔ اپنے اسلوب بیان کو تحقیقی انداز، تخیل کی بلند پروازی اور منطقیانہ استدلال، مورخانہ حقیقت نگاری سے مزین کیا۔ یقیناً "وہ ایک فرد نہیں بلکہ اک دبستان ہیں۔"(۱)

دو رسالے "اسکات المعتدی علیٰ انصات المقتدی"، "ظل الغمام فی مسئلۃ القرأۃ خلف الامام" تصنیف کیے۔ ایک مقالہ "مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم" (اس سے اردو میں جدید طرز تصنیف کا آغاز ہوا) شائع کیا۔ ان رسالوں کے بعد ایک تصنیفی سلسلہ "نامور فرماں روایان اسلام" (Royal Heroes of Islam) کا عظیم الشان منصوبہ تیار کیا جس کی پہلی باقاعدہ اور مستقل کتاب "المامون" کی صورت میں شائع ہوئی۔ اپنی بھرپور تخلیقی، تصنیفی اور عملی زندگی میں "المامون" کے بعد سیرۃ النعمان، الفاروق، علم الکلام، الغزالی، الکلام، موازنہ انیس و دبیر، شعر العجم، اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر، سفر نامہ روم و مصر و شام، مقالات شبلی، مکاتیب شبلی، تاریخ اسلام، کلیات شبلی (اردو، فارسی) اور سوانح مولانا روم جیسی کتابیں تصنیف کیں۔ سوانح و سیرت میں ایک نیا معیار متعین کرنے والی، ان کی تصنیفی زندگی کا آخری اور سب سے اہم ترین کتاب "سیرۃ النبی ﷺ" ہے۔

مختلف نوعیت کی دوسری ادبی خصوصیات کے علاوہ علامہ شبلی نعمانی کا تاریخ، ادب اور لسانیات میں شہرت کی وجہ ان کا ممتاز و منفرد اسلوب نگارش ہے۔ ایسا اسلوب نگارش کہ لوگ ان کی مخالفت میں کوئی تحریر لکھنا چاہیں تو بھی مجبوراً ان کی اقتدا کرنی پڑے گی۔(۲) اس تحقیقی مقالہ میں ان کی ذہنی پختگی کے دور کی تصنیف "سیرۃ النبی ﷺ جلد اول و دوم" میں ان کے اسلوب کے بعض منفرد اور نمایاں اسلوبیاتی خصائص کا تجزیہ کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "ادبی مطالعات میں اسلوب کا مطالعہ مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اس بنا پر کہ (غلط یا صحیح) یہ خیال عام ہے کہ بڑے

مصنف کا مخصوص اسلوب ہوتا ہے اور اسی سے اس کی شناخت ہوتی ہے۔"(۳) "المامون" سے ان کے جس جاندار اور پختہ اسلوب کا آغاز ہوا تھا، "سیرۃ النبی ﷺ" پر مختتم ہوا۔

سنجیدہ علمی و تحقیقی مضامین کے لیے اردو میں جاندار اور پختہ اسلوبِ نگارش شبلی کا منت کش ہے۔(۴) اسلوب عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کی جمع اسالیب ہے۔ انگریزی میں Style کہا جاتا ہے۔ لغت میں Style کے معنی "طرز، اسلوب (تحری و تقریر یا کسی کام کے کرنے کا)، اسلوب بیان، طرز ادا (شاعر یا انشاء پرداز کا)" ہیں۔(۵) اصطلاح میں اظہارِ شخصیت وذات کا دوسرا نام ہے یعنی "Style is the man himself"(۶) شخصیت ہی در حقیقت اسلوب ہے اور "کسی ادبی شخصیت اور مقرر کی بھی، ادبی گروہ یا دور کا اپنا منفرد طریق اظہار۔ مصنف کا تخلیقی ضابطہ جس میں توضیح، قوت تاثیر اور حسن وغیرہ اجزا موجود ہوں"(۷) سے بھی اسلوب مراد ہے۔ اسلوب کے معنی اور تعریف کے بعد ان کی آخرین تصنیف "سیرۃ النبی ﷺ جلد اول و دوم" میں ان کے اسلوب کے بعض منفرد اور نمایاں اسلوبیاتی خصائص کا تجزیہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

کسی بھی ادیب کے فن میں موجود وہ خصوصیت جو اسے دیگر ہم عصروں سے ممیز کرے انفرادیت کہلاتی ہے۔ ہر اہم ادیب اپنے موضوع اور طرز کلام کی وجہ سے دوسروں سے ممیز ہوتا ہے۔ یہی اس ادیب کی انفرادیت ہے۔(۸) علامہ شبلی کے اسلوب کی پہچان ان کی انفرادیت ہے۔ کائنات کے سب سے مقدس اور عظیم الشان ہستی کی سیرت لکھنا ہی "سیرۃ النبی ﷺ" کی انفرادیت ہے۔ اردو میں جن لوگوں نے سیرت پر طبع آزمائی کی ہے، ان میں کوئی ان کے مرتبہ کا نہیں، ایک صاحب طرز ادیب کے قلم سے لکھا ہوا شاہکار ہی "سیرۃ النبی ﷺ" کی انفرادیت ہے۔ اسلوب و انشاء اور فن سیرت نگاری کے لحاظ سے بھی سیرۃ النبی ﷺ کا مرتبہ انتہائی بلند اور انداز منفرد ہے۔ انھوں نے سیرت بحیثیت سیرت نہیں لکھا جس میں صرف روایات کی بھرمار ہو بلکہ سیرت لکھتے ہوئے خارجی اور داخلی تنقید دونوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی تنقیدی نظروں سے گزارا ہے۔ انھوں نے عبارت کے داخلی اور خارجی تجزیہ سمیت مستشرقین کا آپ ﷺ پر اعتراضات کا بھی تجزیہ کیا ہے۔

علامہ شبلی اپنے طرز کلام اور موضوع کے اعتبار سے اپنے ہم عصروں سے منفرد نظر آتے ہیں۔ یہی انفرادیت ان کے اسلوب کی نمایاں خصوصیت اور پہچان کا پیمانہ بن گیا ہے۔ سیرۃ النبی ﷺ میں وہ مختلف موضوعات کا تعارف کراتے ہوئے تحقیقی انداز اپناتے ہیں اور اپنی بات قاری کے دل پر اس طرح ثبت کرتے ہیں کہ مستشرقین کے پھیلائے ہوئے شبہات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ پہلے وہ مستشرقین کی پھیلائی ہوئی بات، واقعہ یا دعویٰ درج کرتے ہیں،

پھر اس دعویٰ میں موجود مغالطہ یا غلط بیانی کی نشاندہی کرتے ہیں اور آخر میں محقق و مدلل انداز میں اس غلط بیانی کا علمی دلائل سے بیخ کنی کرتے ہیں۔ مثلاً:

> ''متعصب عیسائی مورخ لکھتے ہیں کہ اس شہر کی قدامت کا دعویٰ مسلمانوں کا خاص دعویٰ ہے۔ قدیم تاریخوں میں اس کا نام ونشان نہیں ملتا، ....
>
> مکہ کا قدیم اور اصلی نام بکہ ہے۔ قرآن مجید میں یہی نام ہے: اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا (سورہ اٰلِ عمران ۹۶:۳)''پہلا متبرک گھر جو آدمیوں کے لیے بنایا گیا، وہ بکہ میں تھا۔''
>
> کتاب زبور ۸۴۔۶ میں ہے: ''بکہ کی وادی میں گزرتے ہوئے، اسے ایک کنواں بناتے، برکتوں سے مورۃ کو ڈھانک لیتے، قوت سے قوت تک ترقی کرتے چلے جاتے ہیں ۔۔۔۔۔ اس کے ساتھ یہ بھی اندازہ ہوگا کہ یہودی کس طرح تعصب سے الفاظ کو ادل بدل کر دیتے ہیں۔''(۹)

مذکورہ اقتباس سے واضح ہے کہ "مکہ معظمہ" کے بارے میں لکھتے ہوئے علامہ شبلی نے تمام تاریخی حقائق، مرگیولوس (مستشرق) اور یہود کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کو بھی اپنے سامنے رکھا۔ سب سے پہلے انھوں نے مرگیولوس کی غلط بیانی کی توضیح و تصحیح اصل تاریخی حقائق کی روشنی میں کی ہے۔ ساتھ ہی قرآن مجید میں مذکور یہود کے ایک طرزِ عمل (باتوں کو ادل بدل کر پیش کرنے) کی طرف بھی اشارہ کیا۔

یہودیوں نے تحریف سے بکہ (اسم علم) کو اسم مشتق میں بدل دیا ہے۔ بکّہ کو بَکٰی یَبکِی بُکَاءاً سے اخذ کر کے رونے دھونے کے معنوں میں غلط تشریح (معنی) کی۔ بَکٰی یَبکِی بُکَاءاً کے معنی رونے کے ہیں اور اس مادہ "ب ک ی" ہے اور بکہ (وادی مکہ کے لیے اسم علم) کا مادہ "ب ک ک" ہے۔

عرب میں بَکَّ یَبُکُّ بَکَّۃً کا فعل دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ۱) بھیڑ اور ازدحام کے لیے اور ۲) گردن توڑنے، مروڑنے اور جھکانے کے لیے۔ ان دونوں معنوں کا تعلق بکہ (وادی مکہ) سے بنتا ہے۔ لوگوں کے بھیڑ کی وجہ سے بکہ کو بکہ کہا جاتا ہے یا بڑے بڑے جابر لوگوں کی گردنیں جھک جانے کی وجہ سے۔(۱۰)

علامہ کے اسلوب کی دوسری انفرادیت اپنی بات کی تاثیر میں اضافہ کی غرض سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار اردو، فارسی یا عربی شعر (یا مصرع) کے ذریعہ کرنا ہے۔ سیرۃ النبی ﷺ سے مثال (بطورِ نمونہ) ملاحظہ ہو:

" یٰٓاِبْرٰهِیْمُ ۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۔"(الصٰفٰت)

''ابراہیم! تونے خواب کو سچ کر دکھایا، ہم نیک بندوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیا کرتے ہیں۔''

طغیانِ نازبیں کہ جگر گوشہء خلیل
در زیرِ تیغ رفت و شہیدش نمی کند(۱۱)

اس موقع پر شبلی اپنے دلی جذبات کے اظہار کے لیے شعر (دو مصرعوں) سے کام لیتے ہیں اور ان میں انھوں نے اتنا مضمون سمویا ہے جس کے بیان کے لیے نثر کے سو صفحات بھی ناکافی ہیں۔ محبت و اطاعت کے اس عظیم مظاہرے کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی یادگار کو رہتی دنیا تک کے لیے قائم رکھا اور ان کو ایک دنبہ بطور فدیہ دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی قربانی کا وہ خواب شرمندہء تعبیر ہوا جو ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا تھا۔ آپؑ اپنے امتحان میں کامیاب و سرخرو ثابت ہوئے۔ اسماعیل علیہ السلام چھری کے نیچے آئے لیکن چھری نے آپ (اسماعیلؑ) کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔

علامہ شبلی کے اسلوب کا یہی انفرادی شان سیرۃ النبی ﷺ میں جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا خواب اور حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے میں اپنے دلی بات کا اظہار ایک شعر کی صورت میں کیا ہے۔ اس خواب کو بطریق احسن پورا کرنے کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: 'اے ابراہیم! آپ نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا'۔ اس موقع پر انھوں نے قرآن مجید کی سورہ صٰفٰت کی مذکورہ بالا آیت کا حوالہ دیا ہے۔

ایک اور مثال ملاحظہ ہو:

"بشریت کے اقتضا سے ان میں منافست بھی تھی اور حریف کے مقابلہ میں اپنے رتبہ اور شان کا خیال رہتا تھا، آنحضرت ﷺ سے ہر ایک کو جو شدید محبت تھی، وہ 'ع: با سایہ ترا نمی پسندم' کی حد تک تھی۔"(۱۲)

ان کی دوسری کتابوں (مثلاً المامون، سیرۃ النعمان، مقالات وغیرہ) میں بھی ان کے تخیل کے اس منفرد خصوصیت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ عربی، فارسی یا اردو شعر (یا مصرع) کی صورت میں اپنے دل کی بات بیان کرتے ہیں۔

شعر یا مصرع کی صورت میں اپنے دل کی بات ناظرین کو بیان کرنا علامہ شبلی کے اسلوب کی ایک ایسی انفرادیت ہے جو ان کے اسلوب کی بنیادی پہچان بن گئی ہے۔ یہ طرزِ نگارش ان کی تقریباً سبھی تصانیف میں موجود

ہے۔اس لیے ان کا علمی شان و مرتبہ انتہائی بلند ہو جاتا ہے۔ان کے بعد ان کے اس اسلوب نگارش کی تقلید و پیروی ان کے شاگرد سلیمان ندوی نے اپنی تحریروں میں کی۔ سلیمان ندوی کے بعد کئی مصنفین (مختار مسعود اور یوسفی وغیرہ) نے ان کے اس اسلوب نگارش کی پیروی سے اپنے اپنے انداز میں بھرپور استفادہ کیا۔

امام احمد بن عبدالرحیم (شاہ ولی اللہؒ) نے فلسفہ اسرار الدین کے تحت اپنی کتابوں (حجۃ اللہ البالغہ، البدور البازغہ وغیرہ) میں دینی احکام کو عقلی و منطقی انداز میں پیش کر کے ہر حکم کے لیے علت، مصلحت اور حکمت بیان کی۔ اس طریق عمل پر شبلی نے سیرۃ النبی ﷺ میں اسلامی تاریخ اور سیرت کے بعض واقعات کی علتیں، مصلحتیں اور حکمتیں بیان کیں ہیں۔ مثلاً مدینہ ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار میں آپ ﷺ نے 'مواخاۃ' قائم کیا۔ مواخاۃ کی علت، مصلحت اور حکمت بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> ''مواخاۃ کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لیے قائم کیا گیا کہ بے خانماں مہاجرین کا چند روزہ انتظام ہو جائے،۔۔۔۔اس بنا پر جن لوگوں میں رشتہ اخوت قائم کیا گیا ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاد اور شاگرد میں وہ اتحاد مذاق موجود ہو جو تربیت پذیری کے لیے ضرور ہے،۔۔۔۔جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا، دونوں میں یہ اتحادِ مذاق ملحوظ رکھا گیا، ۔۔۔۔اتنی کم مدت میں سینکڑوں اشخاص کی طبیعت اور فطرت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا قریباً ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ شانِ نبوت کی خصوصیات میں سے ہے۔''(۱۳)

اس اقتباس میں علامہ شبلی نے مواخاۃِ مدینہ کا پورا فلسفہ بیان کیا ہے۔ موافق اور مناسب طبیعتوں کے درمیان مواخاۃ کا رشتہ استوار کیا گیا، جس کی بدولت ایک اعلیٰ درجے کی قیادت سامنے آئی جس نے اسلام اور اسلامی نظام کے مختلف شعبوں میں بطریقِ احسن اپنی خدمات سرانجام دیں۔ مواخاۃ اگر دو ناموافق طبیعتوں کے درمیان قائم کی جاتی تو نتیجہ ہمہ وقت لڑائی، جھگڑے اور فساد کے علاوہ اور کچھ نہ نکلتا کیونکہ طبیعت اور مزاج کی مناسبت وحدتِ فکر کا بنیادی عنصر ہے۔ جیسے:

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر، باز با باز

عربی مقولہ کے مصداق: اَلجِنسُ مَعَ الجِنسِ اَمیَلُ وَ اَنسَبُ ہر جنس اپنے ہم جنس کے ساتھ زیادہ مائل اور مناسب ہوتا ہے۔

"سیرۃ النبی ﷺ" میں اس اسلوبی خصوصیت کی دوسری مثالیں 'تحویل قبلہ' یعنی تبدیلیء قبلہ، صلح حدیبیہ، تبلیغ واشاعت اسلام، فرائض واحکام اور۔۔۔۔۔ وغیرہ کے موقع پر ملتا ہے جہاں انھوں نے مذکورہ واقعات کی علتوں، حکمتوں اور مصلحتوں کو قارئین کے سامنے بیان کیا ہے۔

تحویل قبلہ کی حکمت ومصلحت مسلمانوں کا شعار (رکنِ اعظم) نماز ہے۔ نماز کی دیگر مصلحتوں (جمہوریت، مساوات اور عمل توحید کے علاوہ ایک مصلحت مسلمانوں کا ایک طرف رُخ کرنا بھی ہے جو ان کی جمعیت واجتماعیت، کفر اور اسلام کے درمیان فرق وامتیاز اور اتفاق اور اتحاد کا بہترین نمونہ اور اعلیٰ مظہر ہے۔

تمام مذاہب کے اصل الاصول حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کفر وشرک سے پاک دین دینِ حنیف (دینِ ابراہیمی) کے حقیقی متبعین مسلمان ہی ہیں۔ ان کا قبلہ کعبہ (بیت اللہ شریف) ہے۔ عہدِ جاہلیت میں عربوں نے دینِ حنیف میں تحریف کرکے شرک اختیار کی اور کعبہ شریف کو ۳۶۰ بتوں سے بھر دیا۔ اسلام نے توحید پر قائم اصل دین حنیف نافذ کیا اور بیت اللہ کو تمام بتوں سے پاک کرکے تاقیامت بالخصوص مسلمانوں اور بالعموم تمام انسانیت کے لیے بطورِ مرکز مقرر کیا۔

یہودی اور عیسائی دین حنیف کے پیروکار اور توحید کے علمبردار ہونے کے مدعی تھے مگر درحقیقت وہ اصل ابراہیمی تعلیمات سے منحرف ہو چکے تھے۔ ان کی تعلیمات میں شرک اور دوسری برائیاں داخل ہو چکی تھیں۔ یہودی عزیرؑ اور عیسائی، عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے۔(۱۴) ان کا عقیدۂ تثلیث اور عقیدۂ کفارہ ابراہیمی تعلیمات کا الٹ ہے لہٰذا ان کا دعویٰ کسی صورت صحیح نہیں۔ انھوں نے ایک اور غیر معقول دعویٰ بھی کیا کہ ابراہیم علیہ السلام محض یہودی اور عیسائی تھے۔ قرآن مجید نے اس غیر معقول دعویٰ کی تردید میں فرمایا: ابراہیم (علیہ السلام) یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ وہ مخلص مؤحد اور مسلمان تھے اور وہ ہرگز مشرکین میں سے نہ تھے۔(۱۵)

اسی طرح انھوں نے 'صلح حدیبیہ' اور 'تبلیغ واشاعت اسلام' کے لیے مختلف علاقوں میں بھیجے گئے صحابہؓ کے ساتھ فوجی دستے بھیجنے کی مصلحت وحکمت سے قارئین کو آگاہ کیا ہے۔ صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ کا ذکر کیا ہے جہاں انھوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے اور بعد میں مسلمانوں کی تعداد کا موازنہ کرکے واضح کیا کہ اس "فتح مبین" کے نتیجہ میں صحابہؓ کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے اضعافا مضاعفہ بڑھ کر قریباً دس ہزار تک پہنچ گئی۔

اشاعت دین کے لیے عرب انتہائی وسیع و عریض ملک تھااور معاہدہ حدیبیہ کا دائرہ قریش مکہ تک، لہٰذا ایک جیسے مذہبی عقائد کے حامل عرب قبائل ہر وقت مسلمانوں پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف رہتے جن سے تدارک کے لیے باقاعدہ لڑائی اور پرامن قبائل میں دعوت اسلام کی غرض سے آپ ﷺ نے صحابہؓ بھیجے۔ پرامن عرب قبائل کی طرف بھیجے گئے ان مبلغین صحابہؓ کی حفاظت کی غرض سے معمولی فوج بھی ان کے ساتھ بھیج دی جاتی تھی جن کا کام سفر یا تبلیغ کے دوران مبلغین صحابہؓ پر حملوں کی روک تھام تھی۔ مختلف ارباب سیر ان کو سرایا سے تعبیر کرتے ہیں مگر علامہ شبلی نے اس موقع کی مصلحت و حکمت بیان کر کے اشاعت دین کے سلسلہ کی ایک کڑی قرار دیتے ہیں۔(۱۶)

علامہ شبلی نعمانی نے ارکان اسلام کی حکمت بیان کر کے ان کی فرضیت اور تدریجی تکمیل کے لیے ملک میں امن وامان کا قیام لازمی قرار دیا ہے یعنی موقع کی مناسبت سے ارکان اسلام کی فرضیت آئی۔ مثلاً مکہ میں روزہ فرض نہیں تھا مگر ہجرت مدینہ سے طاقت امن مل گیا، لہٰذا رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم نازل ہوا۔(۱۷) جب حالات موافق ہوئے تو زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم آیا۔ مدینہ پہنچتے ہی قریش اور دوسری قوموں سے غزوات کا مرحلہ پیش آیا جن میں صحابہؓ نے آپ ﷺ کے شانہ بہ شانہ شرکت کی۔ اپنا سرمایہ استعمال کیا۔ اس وقت وہ زکوٰۃ ادا نہیں کر سکتے تھے لیکن مالی حیثیت کے استحکام کے ساتھ ہی زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم بھی نازل ہوا۔ اسی طرح حج بیت اللہ اس وقت مسلمانوں پر فرض کر دیا گیا جب وہ اس قابل ہوئے کہ بہ سہولت مدینہ سے مکہ جا کر واپس بھی آ سکیں۔ لہٰذا جب حالات سازگار ہوئے اور مکہ فتح ہوا تو حج بھی لازم قرار دیا گیا۔ اسی طرح نماز جو روزانہ تمام مسلمانوں پر پانچ مرتبہ فرض ہے، دین اسلام کے ساتھ فرض ہوئی لیکن تدریجی تکمیل مختلف مراحل میں مکمل ہوئی۔ ۵ھ تک نماز میں بات چیت کی ممانعت نہیں تھی، اگر کوئی مسلمان سلام کرتا تو دوران نماز ہی دوسرا اسلام کا جواب دے دیتا تھا۔

فتح مکہ سے مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا اور کفار مکہ کی حکمرانی ختم ہوئی۔ اسلامی شریعت کی تکمیل کے لیے درکار امن وامان میسر آیا جس سے ارکان اسلام کی تدریجی تکمیل کا سلسلہ مکمل ہو گیا۔(۱۸)

سیرۃ النبی ﷺ میں علامہ شبلی کے اسلوب کی ایک اور انفرادیت ابتدا سے اخیر تک مستند حوالوں سے مزین ہونا ہے۔ اس بات کا اعتراف اولین شبلی شناس سید احمد خان نے ''المامون'' (دوسری ایڈیشن) کے دیباچہ میں کیا ہے کہ ''مصنف (شبلی) نے ایسی کوئی بات درج نہیں کی جس کا معتبر ماخذ سے حوالہ نہ دیا ہو۔ جزوی بات بھی جس کتاب سے لی ہے، حوالہ دیا ہے۔ حاشیوں پر حوالے دیکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کتاب لکھنے میں کتنی جاں کاہی کی ہو گی اور کتنے ہزار ورق تاریخوں کے الٹے ہوں گے۔''(۱۹)

اس پیمانے پر ''سیرۃ النبی ﷺ'' بھی پوری اترتی ہے۔ قرآن مجید کے ساتھ حدیث، تفسیر، اسماء الرجال، سیرت، مغازی اور تاریخی کتابوں کے حوالے تقریباً ہر صفحہ پر درونِ متن اور حاشیہ میں موجود ہیں۔ مثلاً سیرۃ النبی ﷺ (ج ۱) میں جہاں علامہ شبلی کفار کا مسلمانوں پر کیے گئے ظلم کے مختلف طریقوں، مسلمانوں کا استقلال، دین اسلام پر قائم رہنے اور ہجرتِ حبش جیسی واقعات کے بیان میں مستند حوالوں سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ کتنی کتابوں اور ماٰخذات کی چھان بین کے بعد ان واقعات کو قارئین کے سامنے پیش کیا۔

مذکورہ واقعات کے بیان میں انھوں نے حاشیہ میں درج حوالوں سے اپنے اسلوب کو استناد بخشا ہے۔ خبابؓ بن الارت کے واقعات طبقات ابن سعد (جلد سوم) اور صحیح بخاری سے، عمارؓ بن یاسر، صہیبؓ رومی اور لبینہؓ (عمرؓ کی کنیز) پر کفار کے ظلم و ستم کے واقعات کو ابن الاثیر 'تعذیب المستضعفین' کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔ عثمانؓ پر ایمان لانے کے بعد ان پر چچا کا ظلم، ابوذر غفاریؓ کے ایمان لانے پر کفار کا ظلم اور زبیر بن العوام کو اپنے ہی رشتہ داروں نے تکلیف میں ڈالا۔ ان سبھی واقعات کا بیان ریاض النضرۃ، بخاری شریف اور طبقات ترجمہ عثمان بن عفان کے مستند حوالوں سے مدلل ہے۔ یہ ظلم و ستم کسی بھی ایک مسلمان کو اسلام سے منحرف نہ کر پایا۔ اس موقع پر ایک عیسائی مورخ کی تعریف اور سچی بات کو علامہ نے اپالوجی گاڈفری میگنس کے مستند حوالہ سے مزین کیا ہے۔

مظلوم مسلمانوں کا حبشہ ہجرت، عبداللہؓ بن مسعود کا اسلام لا کر مقام ابراہیم میں سورۃ رحمان کی تلاوت کے دوران کفار کا ان پر ظلم کے واقعات کا بیان بخاری شریف اور طبری (ج۳) کے مستند حوالوں کا سہارا لیا ہے۔ (۲۰)

علامہ شبلی کے اسلوب کی انفرادیت کی ایک اور مثال 'روایات کا تنقیدی جائزہ' لینا ہے۔ انھوں نے سیرۃ النبی ﷺ میں مختلف روایات سیرت کو من و عن قبول نہیں کیا بلکہ ان روایات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ مثلاً:

> ''مشہور ہے کہ جب کفار غار کے قریب آ گئے تو خدا نے حکم دیا۔ دفعتہً ببول کا درخت اگا اور اس کی ٹہنیوں نے پھیل کر آنحضرت ﷺ کو چھپا لیا، ساتھ ہی دو کبوتر آئے اور گھونسلہ بنا کر انڈے دیے، حرم کے کبوتر انہیں کبوتروں کی نسل سے ہیں۔۔۔۔'' (۲۱)

علامہ شبلی نے اپنے اسلوب میں انفرادی شان برقرار رکھتے ہوئے 'مواہب لدنیہ' میں منقول روایت کو ہو بہو مستند تسلیم نہ کیا بلکہ مذکورہ روایت کا انھوں نے بطریق احسن تنقیدی جائزہ لیا۔ خاص کر وہ مشہور روایات جو سند کے اعتبار سے صحیح اور مستند نہیں ہوتے، فن اسماء الرجال کی کتب میزان الاعتدال (وغیرہ) سے دلیل کی روشنی میں ان کا ناقدانہ جائزہ لے کر رد یا غیر مستند ثابت کرتے ہیں۔ ان کا طریق کار ائمہ فن کی کتابوں سے روایات نقل کر کے سیرۃ النبی ﷺ کے اصل ماخذات سے موازنہ کرنا ہے۔

ایک جامع العلوم شخصیت ہونے کی وجہ سے عقلی اور نقلی علوم پر ان کی مکمل دسترس تھی، اس لیے مختلف روایاتِ مذکورہ کا 'روایۃً درایۃً' کتب اسماءالرجال اور متعلقہ اصولوں کی روشنی میں 'متن'، 'سند' اور 'سندِ راویان' کا عقلاً اور تنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔ 'سند' سے مراد جنھوں نے روایت کی ہے یا متن' کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ 'طریق' راستہ اور جہاں سلسلہ 'سند' ختم ہو 'متن'۔ مذکورہ اقتباس میں انھوں نے واقعاتِ ہجرت کے ضمن میں غارِ ثور میں حضور ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ کے آمد سے متعلق چند روایات درج کی ہیں جن میں مشہور روایت (زرقانی کی کتاب 'مواہب لدنیہ' میں) مذکور ہے اور زرقانی نے اس کا ماخذ (کتابِ حدیث) 'مسند بزاز' بتایا ہے لیکن شبلی نے ان تمام روایات کا تنقیدی جائزہ لے کر ان کو غلط ثابت کیا ہے۔ راویوں میں ایک راوی 'عون بن عمرو' کو امام فنِ رجال یحییٰ بن معین نے 'لا شئ' (کوئی اہمیت نہیں) قرار دیا ہے۔ امام بخاری کے مطابق مجہول اور 'منکر الحدیث' ہے۔ ایک اور راوی ابو معصب مکی سے متعلق ماہرین اسماءالرجال متفق ہیں کہ اس کو کوئی نہیں پہچانتا۔

مذکورہ بالا اقوال 'عون بن عمرو' کے حال میں علامہ ذہبی کی کتاب ''میزان الاعتدال'' میں مذکور ہیں۔ 'منکر الحدیث' سے مراد 'ضعیف راوی کی روایت کردہ وہ حدیث جو خود سے بھی ضعیف تر راوی کی روایت کے برعکس ہو۔' اس کا متضاد 'معروف' ہے۔ 'معرف' اور 'منکر' میں دونوں روایانِ روایت بذاتِ خود ضعیف ہوتے ہیں مگر ایک راوی دوسرے سے ضعیف تر ہوتا ہے۔

ایک دوسری جگہ علامہ شبلی نے حافظ ابن حجر کی ایک روایت کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔ درایتی اصولوں کے مطابق عقل ہر گز ایسا ماننے کو تیار نہیں کہ شراب آپ ﷺ کے وصال سے دو برس پہلے تک حلال تھی؟ عقلاً ممکن نہیں۔ علامہ نے اس روایت کا تنقیدی جائزہ لے کر ثابت کیا ہے کہ شراب کی حرمت بہت پہلے ہو چکی تھی۔

شراب کی سالِ حرمت سے متعلق محدثین اور اربابِ روایت کی آراء میں انتہائی اختلاف ہے۔ ایک رائے حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری (کتاب التفسیر) میں سورہ مائدہ کی آیات کے ذیل میں درج کی ہے: 'شراب کی حرمت ظاہراً فتح مکہ کے وقت یعنی ۸ھ میں عمل میں آئی۔ دلیل امام احمد نے عبدالرحمن بن وعلہ کی سند سے دی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے میں نے دریافت کیا شراب بیچنا کیسا ہے؟ جواباً عرض کیا کہ ثقیف یا دوس سے حضور ﷺ کے ایک دوست نے فتح مکہ میں ایک مشک شراب تحفتاً پیش کی جس پر آپ ﷺ نے ان سے کہا: تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ نے شراب حرام کی ہے۔'

علامہ شبلی کے مطابق حافظ ابن حجر کا استدلال درست نہیں۔ روایتِ مذکورہ سے اس قدر واضح ہے کہ اس دوست کو شراب کی حرمت کا پتہ فتح مکہ سے پہلے معلوم نہ تھا۔ قبیلہ دوس پہلے مگر ثقیف ۸ھ میں اسلام لایا اور مدینہ منورہ سے دور ہونے پر مختلف اوقات میں نازل شدہ احکام سے متعلق ان قبائل کو دیر سے علم ہوتا تھا۔

محدثین کو ایک باریک نکتہ شراب پینا ۴ھ میں حرام جبکہ اس کی تجارت کی ممانعت نہیں ہوئی تھی، یاد نہیں رہا۔ مذکورہ شخص شراب فروش تھا۔ شراب کی لین دین اور سود کی ممانعت کے احکامات بیک وقت نافذ ہوئے۔ حرمتِ سود کا حکم ۸ھ میں رائج ہوا۔ مدینہ میں شرابی لین دین کی ممانعت اور سود کی حرمت کا عام اعلان فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ مزید یہ کہ شراب کی حرمت ۸ھ میں ہوئی لیکن وہ (ابن حجر) خود ج ۱، ص ۱۴۱ میں قاضی عیاض کو لکھتے ہیں کہ عین ممکن ہے شراب (پینے) کی حرمت کے بعد اس کی تجارت بھی حرام کر دی گئی ہو۔ حافظ ابن حجر کی باتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کے احتمال کی وجہ سے ان کا استدلال باطل ہوا۔

ایسا لگتا ہے کہ مدینہ میں پہلے پہل شراب نوشی کی حرام ہوئی اور بعد میں شراب کی خرید وفروخت پر پابندی عائد ہوئی ہو۔ حافظ موصوف نے امام احمد (مسند احمد) کے جس حدیث سے استدلال کیا ہے، وہ صحیح مسلم میں بھی موجود ہے لیکن اس حدیث میں فتح مکہ کا تعین نہیں ہے۔ اس وجہ سے بھی ان کا استدلال ضائع ہوا۔

۳ھ میں جب شراب کے حرام ہونے کا اعلان ہوا تو لوگوں کے استفسار پر جنگ احد میں مرنے والے شراب کے نشہ میں چور مسلمانوں کے انجام پر سورہ مائدہ کی آیت سے ثابت شدہ ہے کہ شراب کی حرمت کا حکم جنگ اُحد (۳ھ) کا ہے۔ بخاری میں حضرت جابرؓ سے ایسا منقول ہے: غزوہ اُحد کی صبح کچھ لوگ شراب پی گئے اور نشہ کی حالت میں میدان جنگ پہنچے اور اس دن شہادت حاصل کی لیکن ایسا شراب کی حرمت کے احکام سے پہلے وقوع پذیر ہوا۔

حضرت انسؓ سے مذکور روایت کے مطابق شراب کی حرمت سے متعلق آیت نازل ہونے پر بعض لوگوں نے پوچھا کہ نشہء شراب میں مارے گئے لوگوں کا انجام کیا ہوگا؟ اس استفسار پر مندرجہ آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:

[لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ]

ترجمہ: ”جو لوگ ایمان لا کر نیکیوں کے پابند ہیں اگر وہ جو کچھ کھا پی گزرے اس میں کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ پرہیزگاری کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔ پھر ڈرتے

رہیں اور ایمان لائیں پھر تقویٰ کریں اور احسان واخلاص کو کام میں لائیں، اللہ تعالیٰ نیک کاروں سے محبت رکھتا ہے۔''(۲۲)

علامہ شبلی کا اسلوب بیاں گوناگوں خصوصیات کا حامل ہے۔ابتدا "المامون" جبکہ انتہا "سیرۃ النبی ﷺ" پر ہوئی۔اس موقع پر سیرۃ النبی ﷺ جلد اول ودوم میں ان کے اسلوب کے وہ نمایاں خصوصیات زیر بحث لائے گئے جوان کی انفرادیت کے باعث ہیں۔

یہ جملہ ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے کہ اسلوب شخصیت سے ترتیب پاتا ہے۔شبلی کی آخری عمر کی تصنیف ، سیرۃ النبی ﷺ کے اسلوبیاتی مطالعہ سے یہ مقولہ پوری طرح درست ثابت ہوتا ہے۔ بچپن اور جوانی میں روایتی تعلیمی نظام سے استفادہ کرنے والے شبلی دینی اور مشرقی سرمایہ سے اچھی طرح واقف تھے۔عربی زبان کی فصاحت اور فارسی کی نزاکت ان کے مطالعہ کا جزو رہی۔مغربی تہذیب سے آشنائی کے بعد، وہ جدید تر علمی منہج سے وابستہ ہوئے اور ان علوم سے انھوں نے روایتی مہارتوں کو مزید صیقل کیا۔شاعری، ادب، تاریخ اور ثقافت پر ابتدائی جوانی سے تادم آخر لکھا۔مغربی علوم کے معیارات کو اپنا کر جب انھوں نے 'قابل تصدیق' پیمانوں پر شخصیات اسلام کی سوانح لکھنے کا آغاز کیا تو اپنی بھرپور شخصیت کا عکس بھی ان کی تحاریر میں در آیا۔ان کے پیمانے سائنسی اور زبان خالص مشرقی نثر کا نمونہ رہی۔یوں وہ منفرد اسلوب تشکیل پاتا گیا جس میں عربی، فارسی اور انگریزی کی بہترین روایات در آئیں۔عربی، فارسی اور اردو کی فصاحت وبلاغت اور ابلاغی ساختوں کو انھوں نے اپنی بھرپور تخلیقی شخصیت کا اظہار بنایا۔جب کہ انگریزی کے جدید تر علمی معیار ان کے اسلوب کا حصہ بن گئے۔یہ تمام مہارتیں، ہمیں ان کی آخری تصنیف، سیرۃ النبی ﷺ میں اپنی بہترین صورت میں میسر آتی ہیں۔ان کی بھرپور علمی وادبی شخصیت، ذات اقدس ﷺ سے لگاؤ اور عقیدت؛ اور جدید تر علمی معیار مل کر ہمیں ایسا اسلوب دیتے ہیں جو مشرق کی بہترین علمی روایت کا امین بھی ہے اور مغرب کے جدید تر معیارات پر بھی پورا اترتا ہے۔یہی وہ اسلوب ہے جس نے بعد میں آنے والوں کے لیے اردو میں علمی نثر کا خاکہ مہیا کیا۔

حوالہ جات:

۱۔آفتاب احمد صدیقی، ڈاکٹر، شبلی ایک دبستان، مکتبہ عارفین۔ڈھاکہ، ۱۹۷۰ء، ص ۱۔۳

۲۔محمد اقبال سلیم گاھندری، دیباچہ علم الکلام اور الکلام، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۷۹ء، ص ۱۰

۳۔شمس الرحمان فاروقی مشمولہ اسلوب اور اسلوبیات، طارق سعید، نگارشات لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۸

۴۔آفتاب احمد صدیقی، ڈاکٹر، شبلی ایک دبستان، مکتبہ عارفین۔ڈھاکہ، ۱۹۷۰ء، ص ۱۲۔۱۳

۵۔عبدالحق، ڈاکٹر، انگلش اردو ڈکشنری، انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی، ۱۹۶۸ء، ص ۱۲۳۱

٦۔انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا، جلد ۲۱، لندن، ۱۹٦۵ء، ص ۴۴۸

۷۔طارق سعید، اسلوب اور اسلوبیات، نگارشات، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۱٦۵

۸۔محمد افتخار شفیع، اصناف نثر، کتاب سرائے، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۱۵۱

۹۔شبلی نعمانی، علامہ، سیرۃ النبی ﷺ ج ۱، حذیفہ اکیڈمی۔ س ن، ص ۸۴

۱۰۔اسماعیل بن حماد الجوہری، ابو نصر، الصحاح، دار الحدیث قاہرہ، مصر، ۲۰۰۹ء، ص ۱۰۸

۱۱۔شبلی نعمانی، علامہ، سیرۃ النبی ﷺ ج ۱، حذیفہ اکیڈمی۔ س ن، ص ۸۸

۱۲۔ایضاً، ص ۲۴۷

۱۳۔ایضاً، ص ۴۳-۱۴۲

۱۴۔التوبہ، آیت ۳۰

۱۵۔اٰل عمران، آیت ٦۷

۱٦۔شبلی نعمانی، علامہ، سیرۃ النبی ﷺ ج ۱، حذیفہ اکیڈمی۔ س ن، ص ۲۸٦

۱۷۔البقرہ، آیت ۱۸۳

۱۸۔شبلی نعمانی، علامہ، سیرۃ النبی ﷺ ج ۱، حذیفہ اکیڈمی۔ س ن، ص ۲۳۰

۱۹۔ سید احمد خان، سر، دیباچہ المامون، مشمولہ صحیفہ شبلی نمبر شمارہ ۲۱۹-۲۱۸، جولائی ۲۰۱۴ء تا دسمبر ۲۰۱۴ء، مدیر افضل حق قریشی، مجلس ترقی ادب۔ لاہور، ص ۱۵۵

۲۰۔شبلی نعمانی، علامہ، سیرۃ النبی ﷺ ج ۱، حذیفہ اکیڈمی۔ س ن، ص ۱۱۷ تا ۱۱۹

۲۱۔ایضاً، ص ۱۳۵

۲۲۔ایضاً، ج ۲، ص ۴۱-۳۴۰